اسلام اور سائنس

(ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی)

(یہ مقالہ بین الاقوامی اسلامی مجلس مذاکرہ میں چار جنوری ۱۹۵۸ء کو پڑھا گیا۔ اصل مقالہ انگریزی میں تھا یہاں اس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔)

اس مختصر مقالہ میں اُس طرزِ فکر کا جائزہ لیا گیا ہے جو اسلام نے سائنس اور دوسرے علوم کے متعلق اختیار کیا ہے۔ اس میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ جدید سائنس کی اہم ترین خصوصیات کے بارے میں قرآن حکیم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات پیش کی جائیں۔ یہ کوئی تاریخی مقالہ نہیں جس میں ہم سائنسی افکار کی تخلیق میں مسلمانوں کی خدمات بیان کریں بلکہ اس مضمون کا مقصد صرف اس حقیقت کی نشاندہی کرنا ہے کہ اسلام نے اپنے متبعین کے اندر فکر و احساس کی وہ کونسی لو لگائی، جس کی وجہ سے وہ علم کی تلاش میں سرگرم عمل ہوئے اور انھوں نے اس کی نشو و نما میں نہایت نمایاں کارنامے سرانجام دیئے۔ اس مضمون میں میں نے لمبی اور طویل بحثوں سے یکسر صرفِ نظر کرتے ہوئے اصل مسئلہ کے ثبوت میں قرآنِ حکیم اور حضور سرور کائنات کے چند ایک اقوال کو نقل کر دینے پر اکتفا کیا ہے۔

آیئے ہم سب سے پہلے اس بات پر غور کریں کہ جدید سائنس کے خصائص کیا ہیں تاکہ ان میں سے ہر ایک کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر متعین کرنے میں آسانی ہو۔ میرے نزدیک سائنس کی اہم ترین خصوصیات حسب ذیل ہیں:

اولاً یہ امر مسلّم ہے کہ علم اور ہنر کا حصول ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ کم از کم اصول کی حد تک اس حقیقت کو اب تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ہر فرد بشر اس بات کا پورا استحقاق رکھتا ہے کہ وہ جس قدر چاہے علم حاصل کرے اور کوئی چیز اُس کی راہ میں مانع نہ ہو۔

ثانیاً سائنس کی تعلیم مشتمل ہے تجربات و نظریات، مشاہدات اور اُن کی ترتیب پر۔ سائنس کی بنیاد نہ تو مجرد تجربہ پر رکھی گئی ہے اور نہ ہی محض تصورات پر۔ یہ علم درحقیقت تفکر اور مشاہدہ کے حسین امتزاج کا ایک قدرتی نتیجہ ہے۔

ثالثاً۔ یہ احساس اب ہمہ گیر ہو رہا ہے کہ سائنس کو ہماری روزمرہ زندگی میں بڑا اہم عمل دخل ہے۔ انسان کو علم کی بدولت وہ قوت و طاقت میسر آئی ہے جس کی مدد سے اس نے عالم طبیعی کی تسخیر کی ہے۔

اب میں کوشش کرونگا کہ ان تینوں اہم خصائص کے متعلق اسلام کے اساسی تصورات کی وضاحت کروں۔

(۱) سب سے پہلی بات کو ہی لیں یعنی علم حاصل کرنے کا بنیادی اور عمومی حق۔ موجودہ دور میں جبکہ تعلیم عام اور لازمی ہے اور جب انسان کے بنیادی حقوق ایک مسلمہ حقیقت بن چکے ہیں لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ انسانی تاریخ کے ایک بہت طویل دور میں علم حاصل کرنے پر معاشرے کے ایک نہایت ہی مختصر طبقہ کا اجارہ تھا[1]۔ یہ طبقہ مذہبی راہنماؤں کا وہ گروہ تھا جس کو پادری کاہن یا برہمن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ جماعت مختلف حیلوں اور بہانوں سے عوام کو جاہل رکھنے کی پوری پوری کوشش کرتی تاکہ وہ اُن پر اپنی برتری قائم کر کے اُن سے ناجائز فائدے حاصل کرتی رہے۔ چنانچہ یہ اصول وضع کر دیا گیا کہ کوئی عام شخص علم حاصل نہیں کر سکتا۔ طرح طرح کی سزاؤں، ایذارسانیوں اور دردناک انجام سے خوفزدہ کر کے ایک انسان کو تعلیم کے حصول سے باز رکھا جاتا۔ مذہبی رہنما اپنی ان معلومات کو جو انہیں کسوف و خسوف، یا اسی طرح کے دوسرے مظاہر قدرت کے بارے میں حاصل تھیں، بڑی ہوشیاری اور عیاری کے ساتھ استعمال میں لاکر لوگوں پر اپنی کبریائی کے ٹھاٹھ جمانے اسلام نے مذہبی راہنمائی کے اس مطلق العنانی کا خاتمہ کر کے دجل و فریب کے اس سارے ڈھانچہ کو ہی بدل ڈالا۔ اُس نے ہر مسلمان پر یہ واجب قرار دیا کہ وہ علم حاصل کرے۔ ممکن ہے آج کے اس دور میں یہ بات کوئی غیر معمولی نظر نہ آئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے علم کو جس طریق سے

[1] اس سلسلہ میں اگرچہ بہت سے شواہد مل سکتے ہیں لیکن یہاں ہم صرف ایک مصنف رابرٹ برالی فالٹ (باقی اگلے صفحہ پر)

پاکستان بننے کے بعد حالات جس سرعت سے بدل رہے ہیں وہ ہر ہوشمند انسان کو چونکا دینے کے لیے کافی ہیں۔ لیکن دیکھیے، کیا فسق و فجور کو فروغ دینے میں کسی پر جبر و تشدد کیا گیا ہے۔ اس کی نشر و اشاعت تو کبھی آرٹ اور ادب کے نام پر کبھی دیہاتی فلاح و بہبود کے نام پر کبھی قومی عزت و ناموس کے نام پر کبھی ترقی پسندی اور روشن خیالی کے نام پر نہایت خوبی سے کی جارہی ہے۔ اس کے ساتھ کچھ ریڈیو سے لوگوں کا دل بہلا دیا جاتا ہے، کچھ فلموں کو سنسر کرنے میں ذرا سی چشم پوشی سے کام لے لیا جاتا ہے، کچھ مخلوط تعلیم کے ذریعہ سے قوم کی تعلیمی ضروریات پوری کی جاتی ہیں اور کچھ بڑھتی ہوئی آبادی کے مرض کا مداوا برتھ کنٹرول کے پروپیگنڈا سے کر دیا جاتا ہے۔ انھی ذرا سی تدبیروں کا نتیجہ یہ ہے کہ اصحاب اقتدار کے فاسقانہ عزائم کی فوج ظفر موج میدان پر میدان فتح کرتی چلی جاتی ہے اور کسی کو احساس تک نہیں ہوتا کہ ہر روز وہ کتنے نئے خاندانوں اور افراد کو خراب کر دیتی ہے۔ اس فوج نے ہمارے عائلی نظام کے قلعہ میں رخنے پیدا کیے مگر ہمیں خبر تک نہ ہوئی۔ اور اب جب دشمن پوری طرح اندر گھس آیا ہے تو ہم بھی اتنے بدل چکے ہیں کہ اسے اپنے حق میں فال نیک خیال کر رہے ہیں۔ اس فوج کے مختلف دستے زندگی کے مختلف گوشوں میں پھیل کر اپنا کام پوری تندہی سے کر رہے ہیں اور ہم ایک بے بس اور مجبور انسان کی طرح ان کی ریشہ دوانیوں کا تماشہ دیکھتے جارہے ہیں۔ انھوں نے ہماری دینی حس اور حمیت کو اب اس حد تک مفلوج کر دیا ہے کہ ہمارے اندر اس کے خلاف نفرت کی کوئی معمولی سی تحریک بھی پیدا نہیں ہوتی۔ آپ اپنی ذات میں خواہ کتنے ہی نیک اور پاکباز ہوں لیکن اس مسموم فضا کو کیا کریں گے جو آپ کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ مدرسہ میں، اخبارات میں، ریڈیو پر غرض ہر جگہ آپ کے کانوں میں وہی باتیں پڑیں گی جن کی ریاست ترویج و اشاعت کرنا چاہتی ہے۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ پہلے ایک مدت صرف افراد بنانے میں صرف کرنی چاہیے، پھر ایک اور مدت صرف معاشرے کی اصلاح میں صرف ہونی چاہیے، پھر آخر کار اس انفرادی تیاری اور اجتماعی اصلاح کے نتیجے میں یا تو ریاست آپ سے آپ بدل جائے گی، یا نہیں تو وہ حملہ آور ہو کر ریاست کو بدل ڈالے گا، تو دراصل ایسا شخص اپنے خیالات ہی کی بنائی ہوئی دنیا میں رہتا ہے، واقعات کی دنیا سے اس کو کوئی

پڑھنے لکھنے اور علم حاصل کرنے کی اہمیت اس آیت میں نہایت صاف اور زوردار طریقے سے ظاہر کی گئی ہے چونکہ احکاماتِ الٰہی کی پیروی ہر مسلمان پر لازم ہے اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ علم اور اُس کا حصول ہر مومن و مسلم کا مقدس فرض[1] ہے۔

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ (الحدیث)	علم کا حصول ہر ایک مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

---

[1] رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کو جس قدر اہمیت دی ہے اُس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ بدر کی لڑائی میں جو قیدی گرفتار ہوئے ان میں بعض تعلیم یافتہ قیدیوں کا فدیہ آپ نے یہ قرار دیا کہ وہ مسلمانوں کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ اس کے علاوہ بالغوں میں تعلیم عام کرنے کے لیے حضورؐ نے یہ قاعدہ مقرر فرمایا کہ مدینہ کے باہر کے مسلمان اپنے میں سے کچھ ذی صلاحیت افراد کو مدینہ بھیجیں تاکہ وہاں تعلیم حاصل کر کے جب وہ لوٹیں تو پھر اُس سے پوری بستی کو بہرہ ور کریں۔ جن لوگوں کو حکومت کے بڑے بڑے مناصب عطا کیے جاتے انہیں بھی تعلیم کے متعلق خاص تاکید کی جاتی چنانچہ عمرو بن حزم کو یمن کا گورنر مقرر فرماتے ہوئے کہا:

"تم حق پر قائم رہو جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے اور لوگوں کو بھلائی کی خوشخبری اور بھلائی کا حکم دو اور عوام کو قرآن کی تعلیم دو تاکہ ان میں اس کی سمجھ پیدا ہو اور لوگوں کو ناپاکی کی حالت میں قرآن کو ہاتھ لگانے سے روکو۔ عوام الناس کی دلداری کرو یہاں تک کہ لوگ دین کا فہم پیدا کرنے کی طرف مائل ہوں۔"

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے خطبات میں بار بار فرمایا کرتے تھے:

اللھم انی اشھدک علی امراء الامصار فانی انما بعثتھم لیعلموا الناس دینھم و سنۃ نبیھم۔	اے اللہ! میں اپنے تمام علاقوں کے عہدیداروں پر تجھ کو گواہ ٹھہراتا ہوں کہ میں نے ان کو اس لیے مقرر کیا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے دین اور ان کے نبی کے طریقہ کی تعلیم دیں۔

ایک دوسرے خطبہ میں عوام کو اپنے عہدیداروں کے اس فرض سے ان الفاظ میں آگاہ فرمایا ہے:

(باقی ص ۳۷ پر)

نیز یہ کہ علم کا حاصل کرنا ہر فرد و بشر پر واجب ہے خواہ اس کی تلاش اور جستجو کے لیے اُسے دنیا کے دور و دراز گوشوں میں جانا پڑے۔

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْن — علم حاصل کرو خواہ وہ چین ہی میں ہو۔

اس طرح ہر انسان نے خود پڑھنا اور سوچنا شروع کر دیا اور یہیں سے ایک جمہوری معاشرے کی بنیاد

---

۴ ولکنی استعملتھم لیعلموکم کتاب ربکم وسنۃ نبیکم۔ — میں نے ان کو اس لیے مقرر کیا ہے کہ تم کو تمہارے پروردگار کی کتاب اور اس کی سنت کی تعلیم دیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تعلیم کو عام کرنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں اُن کے متعلق مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن کا درس جاری کیا اور معلم و قاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ خانہ بدوش بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر جاری کی۔ چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابو سفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن پاک کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔ حکایت میں لکھا بھی سکھایا جاتا عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیج دیئے گئے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔" (الفاروق) (مترجم)

لہ مغرب کے نظام تھیاکریسی (مذہبی ریاست) کو جس چیز نے سب سے زیادہ غذا مہیا کی وہ عوام کی جہالت تھی اسی سے مذہبی طبقوں کی سطوت و خدائی قائم ہوئی۔ اس لیے انھوں نے پوری کوشش کی کہ لوگوں کے لیے علم دین اور اس کے حصول کو صرف اپنے تک ہی محدود رکھا جائے اور باقی لوگوں کے لیے اس کی حیثیت شجر ممنوع کی سی ہو تاکہ کہیں عوام الناس خود ہی تعلیمات الٰہی پر غور کرنے کی غلطی نہ کر بیٹھیں اور اس طرح ان کی عیاریوں کا پردہ چاک ہو جائے۔ اس کے برعکس اسلام نے علم کو چند لوگوں کی میراث بنا کر نہیں رکھا۔ اس نے اس امر کی کوشش کی ہے کہ ہر شخص بذات خود تعلیمات الٰہی پر غور کرے اور اس طرح طالب و مطلوب کے درمیان وہ پردے جو بعض خود غرض انسانوں نے حائل کر رکھے تھے، خود بخود تار تار ہو گئے۔ اسلام نے ہر فرد کو موقع دیا کہ وہ حق کو

پڑی۔ جہاں ہر فرد کو ترقی کے مساوی مواقع حاصل تھے۔ پڑھنے لکھنے اور تعلیم کے متعلق اسلام کے اس نظریہ کا یہ اثر تھا کہ ساری اسلامی دنیا میں تلاش و جستجو کا شوق بہت تیزی سے پھیل گیا اور بعد میں اس نے یورپ کو بھی اس راہ پر ڈال دیا۔ اسلام نے نہ صرف علم کو ایک مقدس شے قرار دیا بلکہ عوام الناس کے دلوں میں اس کی پیاس بھی پیدا کی اور یہی چیز آخر کار جدید سائنسی دور کی نقیب ثابت ہوئی۔

۲۔ خود دیکھے اس کی آیات پر غور و فکر کرے اور وجدان سے کام لے کر زندگی کے مسائل کو سمجھے۔ اسلام کے اس طرز فکر نے اسلامی معاشرہ کو جمہوری سانچوں میں ڈھال دیا ہے

یہودیوں کے عہد عروج میں احکام الٰہی حاصل کرنے کا طریقہ بلنچلی نے اپنی کتاب نظریہ ریاست میں جو بیان کیا ہے وہ خاصا دلچسپ ہے۔ اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہودیوں کے علماء علم پر کس طرح اپنی اجارہ داری قائم کئے عوام کو دھوکہ دیتے تھے۔ وہ لکھتا ہے:

"خدا کا قانون ایک تابوت کے اندر رکھا ہوا تھا جس پر سونا چڑھا ہوا تھا اور اس کے اوپر زرین عرش رحمت تھا۔ دو کروبیاں اس کی حفاظت کرتے تھے اور الہامات ربانی کے مقام کے طور پر لوگ اسے مقدس سمجھتے تھے۔ تابوت اور عرش رحمت دونوں مقام اقدس کے اندر قبۃ العہد میں ایک پردے کے پیچھے رکھے ہوئے تھے اور یہ قبہ گویا خدا کی قیام گاہ سمجھا جاتا تھا اور احبار نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی حفاظت کرتے تھے یہیں پر کاہن اعظم یاوے سے احکام حاصل کرتا اور انہیں لوگوں کو سناتا تھا۔"

لہ یہ چیز ایک اتنی بڑی حقیقت ہے کہ اس کا یورپ کے بڑے بڑے اساتذہ تک نے اعتراف کیا ہے۔ ڈاکٹر گستاؤلیبون اپنی کتاب "تمدن عرب" میں اس مسئلہ کی نسبت یوں رقمطراز ہے۔

"عربوں کے اندلس میں دسویں صدی میں ہونے کی بدولت یورپ کے ایک گوشہ میں علم و ادب کا وہ چرچا باقی رہا جو ہر جگہ یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں بھی متروک ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں بجز عربی سرزمین اندلس کے اور کوئی مقام نہ تھا جہاں علوم کی تحصیل کرنا ممکن ہو اور یہیں وہ خاص اور محدود اشخاص، جن کو علم کا شوق تھا تحصیل کے لیے آتے تھے۔ ایک اختلافی روایت کی رو سے جس کا غلط نہ ہ

اب ہم سائنس کی دوسری خصوصیت کی طرف توجہ کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کا سائنسی طریق کار

۴ - ہونا اب تک ثابت نہیں ہوا۔ گربرت نے جو ۹۹۹ء میں سلوسٹر دوم کے نام سے پوپ بن گیا، یہیں علم حاصل کیا تھا۔ جس وقت اس نے اپنے علم کو یورپ میں اشاعت دینا چاہا تو وہ اہل یورپ کو اس قدر خلافِ فطرت معلوم ہوا کہ انہوں نے اس پر شیطان کے مسلط ہونے کا الزام لگایا۔ پندرھویں صدی تک کسی ایسے مصنف کا حوالہ نہ دیا جاتا تھا جس نے محض عربوں سے نقل نہ کیا ہو۔ راجر بیکن، پیا کا لیونارڈو، ویل نوکا آرنولڈ، پال سنٹ ٹامس، البرٹ بزرگ، قسطلیہ کا الفانسو دہم یہ سب یا تو عربوں کے شاگرد تھے یا ان کی تصنیفات کے نقل کرنے والے۔ ان ہی عربوں کی ترجمہ کی ہوئی کتابوں پر علی الخصوص علمی کتابوں پر پانچ چھ صدی تک یورپ کے کل دارالعلوموں کی تعلیم کا دارومدار رہا۔ بعض علوم میں مثلاً طب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عربوں کا تسلط خود ہمارے زمانے تک موجود ہے۔

حاشیہ صفحہ اس ضمن میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن حکیم نے انفس و آفاق پر غور کرنے کی دعوت دی ہے مگر اس سے اس کا مقصد خالقِ کائنات کی معرفت ہے۔ پھر اس حقیقت کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ گو مسلمانوں نے تجربہ اور مشاہدہ سے کلیات اخذ کر کے جدید سائنس کی بنیاد ڈالی مگر وہ اس راہ کے کانٹوں سے پوری طرح دامن بچا کر نکل گئے۔ استقرائی منطق اور تجربہ اور مشاہدہ اکثر اوقات انسان کو مادی دنیا کے "خم و پیچ" میں الجھا دیتا ہے اور اس طرح حقیقت تک پہنچنے میں اسے کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔ پھر اس کے ذریعہ انسان کے اندر ایک غلط قسم کی خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ بسا اوقات وحی و الہام کی ضرورت کا انکار کر دیتا ہے۔ چنانچہ یورپ کو اسی طریقِ استدلال نے مادیت کے بے حس مذہب میں جکڑ دیا ہے۔ مسلمان حکما نے اس طرزِ تفکر سے بالکل ایک دوسری طرح کا کام لیا ہے۔ اس عالمِ رنگ کی رنگینیاں اور رعنائیاں ان کی نظر کو فریب نہ دے سکیں۔ انھوں نے اس کائنات کے پسِ پردہ جھانک کر حقیقتِ کبریٰ کا کھوج لگایا۔ اس وجہ سے انھوں نے مادی زندگی سے پورا فائدہ اٹھا کر بھی اس کی مبالغہ آمیز قدر و قیمت سے احتراز کیا اور انسان کو فطرت کا تابع بنانے کی بجائے فطرت کا مسخر کرنے والا قرار دیا۔ پھر انہوں نے مشاہدہ اور تجربہ کی اہمیت کو پوری طرح تسلیم کرتے ہوئے انسان کو یہ بتایا کہ ان کی کچھ حدود و قیود ہیں جن کو نظر انداز کرنا اس کے لیے

کے متعلق کیا نظریہ ہے۔ انسانی معاشرے کے ابتدائی دور میں انسان ہر شے کی قدر و قیمت کا تعین سطحی اور سرسری مشاہدے کی بنا پر کرتا تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا شعورِ انسانی نے ترقی کی اور انسان نے اپنے تجربات کو علم کی اساس بنایا۔ مگر ابھی تک اس کا علم حالات و واقعات کی محض ایک فہرست تھی اور وہ اس قابل نہ ہوا تھا کہ مقدمات کو ترتیب دے کر نتائج اخذ کرے یا حال کے آئینہ میں مستقبل کی تصویر دیکھ سکے۔ اس کا علم محدود، ناقص اور بے ترتیب تھا۔ استقراء و قیاس کا دور یونانی فلاسفہ کے عہد میں آیا مگر وہ اس معاملے میں حد سے تجاوز کر گئے۔ انھوں نے اپنا سارا زور تعقل اور تفکر پہ دیا اور مشاہدے اور تجربے کو قریب قریب نظر انداز کر گئے۔ انھوں نے خیال کیا کہ ایک فلسفی گھر کی چار دیواری میں مقید ہو کر محض غور و فکر

۴۔ سمت مہلک ہے۔ اسی طرح انہوں نے عقل سے پوری مدد حاصل کی مگر اس کی غیر مشروط راہنمائی کو قبول نہ کیا بلکہ خود عقل کو بھی اس راز سے آشنا کیا کہ زندگی کے کونسے گوشے اس کی رسائی سے باہر ہیں اور اس طرح انھوں نے حیاتِ انسانی میں وحی و الہام کی ضرورت کو نہایت واضح طور پر ثابت کیا۔ مذہب سائنس کا مخالف نہیں بلکہ اس کا مؤید اور داعی ہے۔ یہ دونوں روشنی کی دو ایسی کرنیں ہیں جو ایک ہی شعلہ سے نکلی ہیں۔ ایک خدا کا کلام ہے اور دوسرا خدا کا کام۔ دونوں میں تضاد ممکن نہیں۔

اسی سلسلہ میں دوسری بات جو ذہن میں رہنی چاہیے وہ یہ ہے کہ سائنس میں اگرچہ مشاہدہ اور تجربہ کی اہمیت اصول کے مقابلہ میں زیادہ ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اصول و قوانین کی سائنس میں کوئی وقعت ہی نہیں۔ اس ضمن میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ صرف یہی ہے کہ جس نسبت سے سائنس اس مادی دنیا کی طرف بڑھتی ہے اسی تناسب سے اس میں استقرائی طریقِ فکر غالب ہوتا چلا جاتا ہے۔ سائنس دانوں میں بھی بے شمار لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جنہوں نے استخراجی طریقِ استدلال اختیار کیا۔ اس کی ایک واضح مثال ہمیں اقلیدس میں ملتی ہے۔ ممکن ہے اقلیدس کے بعض اصول تجربات سے اخذ کیے گئے ہوں مگر ہر شخص جس نے ان کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ عالم اپنے دلائل کی تصدیق کے لیے تجربات پر اعتماد نہیں کرتا۔ اقلیدسی ہندسہ استخراجی منطق کی بڑی ہی اچھی مثال پیش کرتا ہے اور اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سائنس اور فلسفہ دو مختلف علوم نہیں بلکہ ایک ہی علم کے دو مختلف پہلو ہیں۔ ان کی سرحدیں ایک دوسرے کے اس قدر قریب ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے

جدا کرنا کافی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ (مترجم)

کے ذریعہ کائنات کے بارے میں کلی اور قطعی علم حاصل کر سکتا ہے۔ اگر مظاہرِ قدرت میں کوئی ایسا واقعہ پیش آتا جو ان کے وضع کیے ہوئے اصولوں سے قدرے مختلف ہوتا تو یونانی فوراً یہ کہہ دیتے کہ قصور قدرت کا ہے فلاسفہ کا نہیں۔ سقراط اور افلاطون مشاہدات کو بنظرِ استخفاف دیکھتے کیونکہ ان کے نزدیک حواس صرف ایک سطحی سی رائے تو دے سکتے ہیں مگر ان کو کسی حقیقی علم کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔

اس کے برعکس قرآن حکیم نے مستقل طور پر انسان کی توجہ عقل اور تجربہ دونوں کی طرف مبذول کرائی ہے اور اس طرح سب سے پہلے یہ بات ثابت کی ہے کہ سائنس کی بنیاد تجربات و نظریات دونوں پر ہے معرفتِ حق کے مشاہداتی پہلو پر قرآن میں جابجا زور دیا گیا ہے ہم اپنے استدلال کی تائید میں ان میں سے چند آیات پیش کرتے ہیں۔ ایک جگہ فرمایا گیا:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (۲:۱۶۴)

جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جان دار مخلوق کو پھیلاتا ہے ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں۔ نشانیاں ہیں

ایک دوسری جگہ قرآن کہتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۔ اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے تاروں کو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں

میں راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا۔ دیکھو ہم نے نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔

قرآن باربار اس پر زور دیتا ہے کہ گھومو پھرو اور کائنات کی ایک ایک چیز کا مطالعہ کرو اور اس کی حکمت پر غور و فکر کرو۔

اُنْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ دیکھو کہ آسمانوں اور زمین میں کیا کیا ہے۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ۔ اَفَلَا یَتَفَکَّرُوْنَ۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ۔ کیا یہ دیکھتے نہیں ہو۔ کیا یہ سوچتے نہیں۔ کیا یہ اس میں تدبر و تفکر نہیں کرتے۔

یہی بات ہے جسے قرآن باربار مختلف انداز میں کہتا ہے۔ ایک اور آیت۔ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ وَاِلَى السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ وَاِلَى الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ وَاِلَى الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ میں ہدایت کی جاتی ہے کہ حیوانات کی خلقت پر غور کرو اور زمین و آسمان کی ہیئات طبیعی کا مشاہدہ کرو۔

علامہ اقبال نے اپنے پہلے خطبہ میں اس نکتہ کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ بے محل نہ ہو گا اگر اس کا مختصر سا اقتباس یہاں پیش کر دیا جائے۔

یہ امر قابلِ غور ہے کہ قرآن مجید اپنے متبعین میں حقیقت نفس الامری کا احترام پیدا کرتا ہے اور اسی چیز نے آگے چل کر انہیں جدید سائنس کا موسس بنایا۔ ایک ایسے دور میں جبکہ معرفت الٰہی کے لیے مشاہدات کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ مشاہدات و تجربات کے ذریعہ عرفانِ حق پیدا کیا جائے۔ (خطبات ص۱۴)

مغربی مؤرخین بھی اب یہ ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ غور و فکر کا موجودہ عقلی اور سائنٹفک طریقہ اسلام نے سکھایا۔ بریفالٹ اپنی کتاب "تعمیر انسانیت" میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

تجرباتی طریقوں سے روشناس کرانے والے نہ روجر بیکن ہیں اور نہ ہی ان کے ہم نام دوسرے۔ بیکن روجر بیکن کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اس نے مسلمانوں کی تحقیقات و سائنٹفک تجربات سے

یورپ کی مسیحی دنیا کو روشناس کرایا۔ عربوں کا طریقۂ تحقیق بیکن کے عہد میں بڑی سرعت کے ساتھ یورپ میں مقبول ہوا۔ (از بریفالٹ ص۲۰۱)

یورپ کی ترقی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس نے اسلامی تہذیب کے نمایاں اثرات سے جلا نہ پائی ہو بالخصوص علم فطرت اور تجرباتی روح میں کارفرما قوت تو سراسر اسلام ہی کی رہین منت ہے" ص۱۹۱

قرآن مجید کی بے شمار آیات جن میں سے چند کا ہم حوالہ بھی دے چکے ہیں اور متعدد مشرقی اور مغربی اہل فکر حضرات کی تحریریں یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ جدید سائنس کی بنا اسلام نے ڈالی ہے۔ تجربات کے نئے نئے طریقے اور تحقیق و تجسس کا ایک بالکل نیا انداز جس پر جدید سائنس کی بنیاد قائم ہے، ان لوگوں کے عطا کردہ ہیں جو اسلام کی تعلیمات پر ایمان لائے تھے۔

اب ہم سائنس کی تیسری خصوصیت کو لیتے ہیں یعنی انسانی معاملات میں اس کی اہمیت اور اس کا حصہ۔ یہاں پھر اسلام کے نکتۂ نظر کی اہمیت کا صحیح اندازہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ قبل اسلام کے حالات کو نظر میں رکھ کر اس کا جائزہ لیا جائے۔

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ اسلام سے قبل جتنے مذاہب بھی آئے انھوں نے اپنے متبعین کو ترکِ دنیا کی تعلیم دی اور اپنی ساری توجہات حیات بعد الموت پر مرکوز کرنے کی ہدایت کی۔ ان کے نزدیک دنیوی راحتیں اُخروی سعادت کے حصول میں رکاوٹ تھیں۔ ان مذاہب کے متبعین کی نظر میں راہب، یوگی اور لاما بنے بغیر نجات ممکن نہ تھی۔ لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر معرفتِ الٰہی کے لیے جنگلوں اور صحراؤں کا رُخ کرتے۔ اس دنیا بیزاری میں جس میں اس زندگی کے سارے متعلقات کے ساتھ تغافل برتا جاتا، یہ ممکن نہ تھا کہ لوگ طبیعی علوم کے حصول کی طرف متوجہ ہوتے۔

اسلام نے لارھبانیۃ فی الاسلام کا نعرہ بلند کر کے اس غلط اندازِ فکر کو بالکل بدل کر اعتدال کی راہ دکھائی۔ اسلام نے یہ تعلیم دی کہ یہ دنیا اور اس کے وسائل اور اس کی نعمتیں اس لیے ہیں کہ ان کو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کیا جائے لیکن دنیا اور اس کے دھندوں میں اتنی مشغولیت بھی صحیح نہیں کہ آدمی عاقبت کی فکر سے غافل ہو جائے۔

قرآن کہتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ یہ سکھاتا ہے کہ وہ علم کو عرفانِ حق کے لیے نہایت ضروری سمجھتے تھے آپ نے فرمایا: العلم سلاحی (علم میرا ہتھیار ہے) ۔

وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مقولہ کہ علم ہی اصل طاقت ہے، مغرب سے درآمد ہوا ہے انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ تصور نہایت وضاحت کے ساتھ ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جب ساری دنیا جاہلانہ اوہام میں مبتلا تھی۔ قرآن نے واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ علم چاہے کہیں بھی ہو ایک دولت ہے اور عزت و سربلندی کا منصب انہی کو نصیب ہوتا ہے جو اس نعمتِ علم سے سرفراز ہیں۔

اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل دعا یہ تھی کہ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۔ اے میرے رب مجھے علم میں فراوانی عطا فرما۔ قرآن بار بار اپنے ماننے والوں کو متوجہ کرتا ہے کہ وہ حصولِ علم کے لیے ہر دم مصروفِ سعی رہیں اور اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کو علم حاصل کرنے میں صرف کریں۔ فرشتوں (دوسری مخلوقات کا تو ذکر ہی کیا) پر انسانی شرف کی وجہ بھی یہی بتائی گئی کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو علم اشیاء عطا فرمایا ہے وہ کسی اور مخلوق کو حاصل نہیں۔ قرآن کہتا ہے:

اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ۔ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْہَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْہَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّہَا ثُمَّ عَرَضَہُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ہٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

اور جس وقت آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں زمین میں ایک نائب بناؤں گا تو فرشتے کہنے لگے کہ کیا آپ اس زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرتے ہیں جو یہاں فساد اور خونریزیاں کرے گا حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اس کے بعد اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے، پھر انھوں نے فرشتوں کے سامنے

لے علم واقعی حیاتِ انسانی کے لیے بڑا ہی مفید اور کارآمد ہے اور اسلام نے اس کے حصول پر بڑا زور دیا ہے مگر اس ۴

إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ. قَالَ يَا آدَمُ
أَنبِئْهُم بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنبَأَهُم
بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي
أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ
أَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ

(البقرة - ۳۰ - ۳۱)

بیشک کیا اور فرمایا اگر تمہارا خیال صحیح ہے کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائے گا، تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ انھوں نے عرض کیا کہ نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے، ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپنے ہم کو دے دیا ہے، حقیقت میں سب کچھ جاننے والا آپکے سوا کوئی نہیں۔ پھر اللہ نے آدم سے کہا: تم

انہیں ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ جب اس نے ان کو سارے نام بتادیئے تو اللہ نے فرمایا: میں نے تم سے کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی ساری حقیقتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں، جو کچھ تم ظاہر کرتے تھے، وہ بھی مجھے معلوم ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اسے بھی میں جانتا ہوں۔

الغرض یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نہ صرف جدید سائنس کی بنیادی خصوصیات و اساسی نظریات کی تائید کرتا اور اس کو تقویت بخشتا ہے۔ بلکہ اسلام ہی نے اس کو وجود بخشا اور اس کی بہاں تک

یہ حقیقت کو نہ بھولنا چاہیے کہ اسلام جس علم پر زور دیتا ہے وہ معرفت الٰہی ہے۔ اسلام کے نزدیک وہ علم بالکل بیکار بلکہ مضرت رساں ہے جس میں انسانی زندگی کو بہتر بنانے کا [illegible] بے معنی بحثیں، مجذوبوں کی سی بڑیں، جن کا سر نہ پاؤں، اسلام میں بالکل کوئی اہمیت نہیں رکھتیں [illegible] جالب سکر طاری کرکے انہیں حقائق سے دور کر دیتی ہے، وہ تعلیم نہیں بلکہ [illegible] سرور کائنات نے ایسے علم سے بچنے کے لیے دعا فرمائی ہے:

اللھم انی اعوذبک من العلم لا ینفع

اے خدا [illegible] پناہ مانگتا ہوں جو فائدہ مند نہ ہو۔

قرآن حکیم نے بھی اس طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ
لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا

جن لوگوں [illegible] پر توراۃ رکھی گئی تھی پھر انھوں نے اس کی ذمہ داریوں کو نہیں اٹھایا، ان کی حالت اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے۔

رہنمائی کی بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ موجودہ تہذیب دنیا نے سائنس اور علم کے بارے میں جو نقطۂ نظر اختیار کیا ہے اس کا ماخذ اسلامی تعلیمات ہی ہیں۔ اس دعوے کی تائید کے لیے یہ بات کافی ہے کہ پیروانِ اسلام نے اپنی تمام تر مساعی حصولِ علم میں صرف کر ڈالیں اور ظہورِ اسلام کے تھوڑے ہی عرصے بعد مسلمانوں نے صرف سیاسی میدان ہی میں سیادت و فرمانروائی حاصل نہیں کی بلکہ علم و تحقیق کے میدان میں بھی اپنی برتری اور تفوق کا سکہ بٹھایا اور صدیوں تک وہ اس میدان میں بھی دنیا کے امام و رہنما رہے۔